ابن فرید کی افسانہ نگاری

زبیدہ جبیں ☆

Abstract

Dr. Ibn-e-Fareed as a Story Writer

Dr. Ibn-e-Fareed (1925-2003) was a critic and a fiction writer. He wrote about female strata of Indian society confronting repression and aggression and highlighted their other multi-faceted problems. His writings added beautiful pieces into literature, especially for women and children. Since story writing was his first choice, this article focuses some prominent aspects of his art and his contributions towards this field of literature. A life without purpose, blind following of the Western civilization and deviation from agreed social norms has yielded many problems, which remained the focal point of major portion of his writings. He also wrote down about the division of India, riots and other problems emanating out of it. Ibn-e-Fareed underwent influences from progressive writers, romantic story writers and from writings of

☆ زبیدہ جبیں، لیکچرر اردو، منصورہ ماڈل گرلز کالج، ملتان روڈ، لاہور۔

Syed Mawdudi. Fareed's short stories are essentially a reflection of realistic consciousness and promulgation of positive norms and standards of life. His favourite characters appear to believe in the positive and purposeful orientation of human existence. Ibn-e-Fareed, through his short stories, has purposefully invited his audience towards a candid and result-oriented life. He obviously made new experiences in plot and techniques in short story writing. Some of his stories have a symbolic persona, others classic and rest are mythological. A number of critics of Urdu Literature have applauded Ibn-e-Fareed for his unique craft and distinctive techniques he employed in his fiction writing.

Key words: *Ibn e Fareed - Urdu Short Story*

ڈاکٹر ابن فرید (۱۹۲۵ء-۲۰۰۳ء) پاکستان کے ادبی حلقوں میں زیادہ معروف نہیں کیوں کہ پاکستانی رسائل میں ان کی بہت کم تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ ابن فرید انگریزی ادب اور نفسیات میں ایم اے اور عمرانیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی تھے۔ طویل عرصے تک شعبۂ عمرانیات علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں استاد رہے۔ چار برس تک ملک عبدالعزیز یونی ورسٹی جدہ (سعودی عرب) میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۸ء میں علی گڑھ کی ملازمت سے سبک دوش ہونے پر اگلے سال رام پور منتقل ہوگئے۔ چودہ برس تک تحریر و تصنیف اور ادارت میں مصروف رہے۔ نومبر ۲۰۰۳ء کو رب العالمین کی طرف سے بلاوہ آ گیا تو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

وہ ایک جید نقاد اور منجھے ہوئے افسانہ نگار تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے ایک ناول بھی لکھا اور ادبِ نسواں اور ادب اطفال میں بھی وقیع اضافے کیے۔ تین تنقیدی اور دو افسانوی مجموعوں کے علاوہ ''چھوٹی بہو'' کے عنوان سے ابن فرید کا ایک ناول بھی شائع ہو چکا ہے،[۱] جب کہ ماہ نامہ ''حجاب'' رام پور میں ان کے دو مزید ناول قسط وار شائع ہوتے رہے ہیں۔ بہت سے تنقیدی مضامین اور افسانے تا حال غیر مدوّن ہیں۔ ابن فرید نے بھارتی سماج میں مسائل کا شکار خواتین کے متعلق سولہ مضامین، بچوں کے لیے پانچ کتب اور دس فکاہیہ مضامین بھی تحریر کیے۔ اپنے دور کے اہل علم سے بھی ان کی مراسلت بھی رہی (۲)۔

ابن فرید کے علمی اور ادبی ذوق کی آبیاری میں بنیادی دخل ان کے والد شیخ فرید احمد کا تھا (۳)۔ تحریر و تصنیف کی صلاحیت قدرت نے انھیں اوائل عمر ہی میں ودیعت کی تھی، چنانچہ سکول کے زمانے ہی سے ان کا قلم چلنے لگا تھا (۴)۔ طبعاً انھیں زیادہ رغبت افسانے سے تھی، اس لیے ان کی تحریر و تصنیف کے شعبوں میں افسانہ نویسی پہلا نمایاں شعبہ ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم صرف ان کے

افسانوں پر بحث کریں گے۔

تقریباً ۸۰، ۸۵ افسانے ان کی افسانہ نویسی کی صلاحیت کے شاہد ہیں، انھوں نے ایک بار کہا تھا: ''افسانے لکھ کر مجھے ایک طرح کی تشفی ہوتی ہے'' (۵)۔ اپنی افسانہ نویسی کے بارے میں یہ ان کا ایک کلیدی جملہ ہے۔ دراصل ان کے اندر افسانہ نویسی کی فطری صلاحیت موجود تھی۔ لکھتے ہیں: ''میں اسکول کی کاپی سے ورق پھاڑ پھاڑ کر بچگانہ قسم کے افسانے لکھنے لگا اور لکھ کر چھپانے لگا۔ یہ سلسلہ دسویں درجے تک چلتا رہا'' (۶)۔ ۱۹۴۳ء میں انھوں نے اپنا ایک افسانہ رسالہ شمع میں شائع کرایا (۷)۔ اس وقت وہ دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔ افسانہ نگاری کا یہ سلسلہ علی گڑھ میں ان کی آمد تک جاری رہا۔ اس عرصے میں مشیر کراچی میں ان کے چار افسانے شائع ہوئے، جو تا حال غیر مدوّن ہیں۔

ماہ نامہ ادیب کے مدیر مقرر ہوئے تو ساری توجہ تنقید کی طرف مبذول ہوگئی اور افسانہ نگار ابن فرید تقریباً فراموش ہوگیا۔ ممکن ہے انھوں نے اکادکا افسانے لکھے ہوں مگر علی گڑھ میں رہتے ہوئے دوبارہ جم کر وہ افسانے نہ لکھ سکے کیونکہ ملازمت، ناساز حالات اور از سرِ نو حصولِ تعلیم کی تگ ودو نے انھیں اس کی مہلت نہیں دی، البتہ جب ۱۹۸۹ء میں علی گڑھ کی ملازمت سے سبک دوش ہو کر رام پور منتقل ہوئے تو دوبارہ افسانہ نگاری شروع کی۔ حجاب میں بھی افسانے لکھے اور اپنے افسانوں کا پہلا مجموعہ (یہ جہاں اور ہے) ۱۹۹۱ء میں مرتب کر کے شائع کر دیا۔ دوسرا مجموعہ خوں آشامکے عنوان سے ۲۰۰۲ء میں چھاپ دیا۔ اس مجموعے میں ابن فرید کے انٹرمیڈیٹ کے زمانے کا ایک افسانہ بعنوان ''آزادی'' حسب ذیل وضاحت کے ساتھ شامل ہے:

> ''یہ افسانہ میں نے انٹرمیڈیٹ کے آخری سال کی موسم سرما کی تعطیلات میں لکھا تھا اور رسالہ نرالی دنیا دہلی کے مئی ۱۹۴۹ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔..... میں جانتا ہوں کہ یہ افسانہ بے حد خام ہے۔ اسے اس مجموعے میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اپنے مستقل زاویۂ نظر کی نمائندگی کے لیے میں اسے اس مجموعے میں شریک کر رہا ہوں''۔ (۸)

افسانہ ایسا بھی خام نہیں ہے۔ اس افسانے کے حوالے سے ابن فرید میں افسانہ نویسی کی بھرپور صلاحیت نظر آتی ہے۔ منظر نگاری اچھی ہے، مکالمے عمدہ ہیں اور کہانی بیانیہ انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ سسپنس بھی موجود ہے، اس لیے قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔ بالآخر کلائمکس آتا ہے، کہانی ختم ہوتی اور سوال چھوڑ جاتی ہے: ''کیا ہم اسی لیے آزاد ہیں کہ اپنے ہم سایوں، اپنے لوگوں کو آزادی کے ساتھ قتل کر دیں؟ کیا ہماری آزادی کا صرف یہی مقصد ہے کہ ہم آزادی کے ساتھ ملک کے امن وامان کو فنا کر دیں؟''۔ (۹)

اوپر ابن فرید نے جو ''مستقل زاویۂ نظر'' کی بات کی تھی، ان کے افسانوں کے مطالعے میں وہ بہت اہم ہے۔ ان کے زاویۂ نظر کی وضاحت آئندہ سطور میں سامنے آئے گی۔

تیسرے مجموعے میں کا تعاقب میں ۲۳ر افسانے شامل ہیں۔ ہمیں باوجود تلاش بسیار کے، اس کا نسخہ کہیں سے نہیں مل سکا۔ (۱۰) متعدد غیر مدوّن افسانے مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے ہیں۔

مشیر اور حجابمیں شائع شدہ افسانوں کے علاوہ باقی سب افسانے رضیہ مشکور کے مرتبہ مجموعے ڈاکٹر ابن فرید کے منتخب افسانے میں یکجا ہیں، جو انٹرنیٹ پر دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں (۱۱)۔ ہر افسانے کے ساتھ اس کا سنہ تحریر بھی دیا ہوا ہے۔ ہم نے یہ افسانے یہیں سے اتار کر (download کر کے) ان کا مطالعہ کیا ہے۔

یہ جہاں اور ہے اور خوں آشام میں ۲۶ رافسانے شامل ہیں۔ میں کا تعاقب (جو دستیاب نہ ہوسکا) ۲۳ رافسانوں کا مجموعہ ہے۔ غیر مدوّن افسانوں کی تعداد ۱۶ ر ہے۔ ممکن ہے ان افسانوں میں سے بعض میں کا تعاقب میں بھی شامل ہوں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن فرید نے ۸۰، ۸۵ سے زیادہ ہی افسانے لکھے ہوں گے۔ اتنی تعداد میں افسانے لکھنے والا یقیناً اس لائق ہے کہ اس کی افسانہ نویسی پر سنجیدگی سے بحث کر کے اس کے افسانوں کا تجزیہ کیا جائے۔

ابن فرید کو بعض موضوعات نہایت مرغوب ہیں، مثلاً: مروّجہ معاشرتی اقدار، مغربی تہذیب اور بے مقصد زندگی کے باعث پیدا ہونے والے گوناگوں مسائل، تقسیم ہند کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل خصوصاً فسادات اور ان کی اندوہ ناکی وغیرہ۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کو ۶، ۷ برس ہو چکے تھے جب ابن فرید نے افسانے لکھنے شروع کیے۔ انجمن میں زیادہ تر اشتراکیت کے علم بردار یا اشتراکیت سے متاثر افسانہ نگار بھی شامل تھے۔ ادبی پرچوں میں زیادہ تر انھی کے افسانے چھپ رہے تھے، مگر ایک گروہ رومانوی افسانہ نگاروں اور دوسرا کلاسیکی اصلاحی افسانہ نگاروں کا بھی تھا۔ ان سب لکھنے والوں کے افسانے ابن فرید کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ ابن فرید نے کم وبیش ان سب سے کچھ نہ کچھ اثر قبول کیا۔ اسی زمانے میں وہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے بھی آشنا ہو رہے تھے، چنانچہ ان کے اثرات نے بھی ابن فرید کی سوچ اور فکر کو ایک خاص زاویۂ نظر دیا (۱۲)۔ اس فکری یکسوئی کے بعد انھوں نے جو افسانے لکھے، ان سب میں ایک ایسا ذہن کارفرما ہے جو معاشرے کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں پر مضطرب ہے، اصلاحِ معاشرہ کا علم بردار ہے اور زندگی میں مثبت قدروں کا فروغ چاہتا ہے۔

مجموعی طور پر ابن فرید کے افسانوں کے پس منظر میں ایک طرف ترقی پسند تحریک کے فکری رجحانات کی ہلکی سی جھلک، بھارت میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ صورت حال اور افرادِ معاشرہ کی ذاتی زندگی کی محرومیوں کا عکس موجود ہے، دوسری طرف ان کے زیر مطالعہ رسائل (ہمایوں، ادبی دنیا، ساقی، ادب لطیف وغیرہ) میں مطبوعہ افسانوں کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ ان اثرات نے بھی ان کے ذوق افسانہ نویسی کو مہمیز دی۔ (۱۳)

انھوں نے زندگی کو حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھا۔ وہ بنی نوع انسان کی فطری دلچسپیوں اور رجحانات سے آگاہ ہیں لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ منزل سے دوری، انسان کی زندگی میں اتنی بے کیفی پیدا کر دیتی ہے کہ بسا اوقات انسان خود اپنی اس کیفیت کو کوئی نام دینے سے بھی قاصر رہتا ہے۔ ابن فرید نے اپنے افسانوں میں ایسے ہی ''بے کیف''، ''بے زار'' اور ''بے رنگ'' جذبوں کی کہانی بیان کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک فطری ادیب کی طرح انھوں نے کائنات کے قدرتی رنگ و بو کو بھی

پوری طرح محسوس کیا ہے لیکن ان کا رہوارِ قلم صرف یہیں تک نہیں رک جاتا، وہ اس سے آگے زندگی کے الم ناک رویوں، معاشرتی حوادث اور تلخ کامیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ سب کے درمیان وہ اُس انسان کو ''پڑھتے'' ہیں، جو اُن سب حالات کے حوادث سے گزر کر زندگی کاٹ رہا ہے۔ ابن فرید کو انسان کی بہت فکر ہے۔ اس کی خوشی اور رنج و دکھ کو بہت گہرائی میں محسوس کرتے ہیں۔

ابن فرید نے اپنے افسانوں کے موضوعات گرد و پیش کی زندگی سے اور ذاتی مشاہدے ہی سے تلاش کیے ہیں۔ انھوں نے ایک معمولی ملاح سے لے کر بنگلوں کے دولت مند مکینوں تک کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور ایک بچی سے لے کر فہم و بصیرت رکھنے والی خاتون ان کے افسانوں کا موضوع ہے، یعنی ان کا کینوس خاصا وسیع ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ بدیسی تہذیبوں یا حاکموں کے طور اطوار اختیار کرنے والے معاشرے، ذہنی غلامی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ ذہنی غلامی ان معاشروں کی سیاسی غلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔ بالا دستوں کے مقابلے میں انھیں پسپا ہونا پڑتا ہے، اسی طرح یہ کہ کسی خاص ماحول میں افراد کے عمل اور سوچ کے زاویے کس طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ابن فرید نے ان گھروں کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے جہاں مشرقی اور مغربی تہذیبوں کو بیک نظر دیکھا جا سکتا ہے۔ خیر اور شر کے دونوں پہلو ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور جب پورا ماحول ہی خیر کا ساتھ دیتا ہے تو ابن فرید کا افسانہ ایک کلائمکس پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود شیخ: ''ابن فرید کے افسانے اجتماعی حقیقت پسندانہ شعور کے ترجمان ہیں۔ جس کا سلسلہ مشرقی ادب کی عظیم وراثتوں سے گزر کر انسان کے دل تک پہنچتا ہے''۔ (۱۴)

اب ہم ان کے تین چار افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے، ان کے موضوعات اور ان سے ابن فرید کے برتاؤ (ٹریٹمنٹ) پر نظر ڈالتے ہیں۔

''عشرت لاج میں ایک اجنبی'' کا موضوع عیش و عشرت اور ماڈرن ازم کے شکار ایک گھرانے کی کہانی ہے، جس کے مکین انگریزی تہذیب سے مغلوب اور مغربی معاشرت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس ماحول میں جب اسلم بھائی (شمی کے ماموں زاد) داخل ہوتے ہیں تو ان کا نام جان کر اور پھر حلیہ دیکھ کر شمی کہتی ہے:

> ''ہمارے پروگراموں پر اوس پڑ گئی اور ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ہمارے تعارفی عصرانوں کی ہماہمی، اور بے پایاں مسرت، مکروہ بے اعتنائی کی نذر ہو جائے گی اور ہمارے یہ اجنبی مہمان ہماری hobbies میں ایک نمایاں پارٹنر نہ بن سکیں گے۔ ہمیں وہ اپنی نوخیز چھوٹی سی ریشمی داڑھی کے پیچھے گئی گزری سی بات معلوم ہونے لگے''۔ (۱۵)

''اجنبی'' کے لفظ میں بڑی معنویت مستور ہے۔ اجنبی، عشرت لاج کے مکینوں کو نیکی کا خوگر بنانے کا آرزومند ہے مگر پپکو، چم چم، پھوکی اور شمی کے کردار عشرت لاج کی مخصوص روایات کے اسیر ہیں۔ انھیں اسلم بھائی (اجنبی) کا ملازموں سے گفتگو کرنا اور حال احوال پوچھنا، عشرت لاج کی روایتوں سے بغاوت محسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلم بھائی ہمارے وقار کو پوری طرح منہدم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ (۱۶)

انھیں بخوبی علم تھا کہ: ''بظاہر پُرسکون، لیکن بباطن کتنی کھوکھلی ہے ہماری زندگی! یہی وہ ابدی حزن ہے جس کے شکنجے سے عشرت لاج کا کوئی فرد بھی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا''۔ (۱۷)

شمی فریبی کی بھول بھلیوں میں خود کو بھٹکتا ہوا محسوس کرتی ہے۔لیکن یہ احساس اس کو صحیح ادراک کی منزل تک نہیں لے جاتا۔ایک طرف وہ اسلم بھائی کی عادات کو پسند کرتی تھی اور دوسری طرف ظاہر داری برتتے ہوئے خود کو وہ سب کچھ کہنے سے روکتی بھی ہے جو اس کے دل میں نہاں تھا۔یہ انسیت کا پہلا قدم تھا۔بہر حال اسلم بھائی بالآخر انھیں یہ حقیقت تسلیم کروانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ عشرت لاج کے مکینوں کی زندگی سراب ہے۔

''داغ داغ اجالے'' کی مرکزی کردار (ابن فرید نے اس کردار کو کوئی نام نہیں دیا) نے گھرانے کی مشکلات کی وجہ سے تعلیم منقطع کر کے ملازمت اختیار کر لی۔پھر یہی ملازمت اس کی پاؤں کی بیڑی بن گئی۔دن بھر کی محنت کے بعد تھکن اتارنے کے لیے شام کی دعوتوں، پارٹیوں اور رقص و سرود کی محفلوں میں جانا شروع کر دیا۔شادی کے بعد اس کے شوہر نے اسے گھر سنبھالنے اور بچے کی نگہداشت پر توجہ دینے کے لیے آمادہ کیا،مگر وہ دفتر اور کلب کی چکا چوند سے جان نہ چھڑا سکی۔نتیجتاً شوہر اس کی توجہ،اور بچہ اس کے پیار سے محروم ہو گیا۔ایک دفعہ جب وہ بیمار ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ میں شوہر اور بچے کو بری طرح نظر انداز کیے ہوئے ہوں۔پھر اسی بیماری میں ماں کے گھر گئی تو اسے اندازہ ہوا کہ ماں کی محبت کیا چیز ہوتی ہے۔ان احساسات نے اس کی کایا پلٹ دی، اور افسانہ اس جملے پر ختم ہوتا ہے:''اب میں نے ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا ہے''۔یہ افسانہ ابن فرید کے ابتدائی زمانے (۱۹۵۳ء) کی تخلیق ہے۔ابن فرید نے خاصی فنی مہارت کے ساتھ یہ نکتہ اجاگر کیا ہے کہ عورت شمع محفل نہیں، چراغ خانہ ہے اور اسی چراغ سے گھر کے در و دیوار روشن رہ سکتے ہیں، ورنہ تاریکی ہی تاریکی ہے۔

افسانہ ''یہ جہاں اور ہے'' میں تین چار کرداروں کے ذریعے سے کہانی کا تانا بانا بنا گیا ہے۔میاں جان، اور ان کی بیگم گھرانے کے بزرگ کردار ہیں۔رفعت آپا سنجیدہ، کم گو اور زندگی کی صالح اقدار پر پختہ یقین رکھنے والی بڑی بیٹی ہے۔شکیل نوعمر لڑکا ہے، جو رفعت آپا سے ولی لگاؤ رکھتا ہے، اور ان میں بڑی آپا اور کبھی اپنی ماں کی سی کشش محسوس کرتا ہے۔

ابن فرید نے رفعت آپا کے کردار کے ذریعے نجمہ باجی کو توجہ دلائی ہے کہ زندگی کی اصلیت ''حیا'' کے احساس میں ہے جو ہر خاتون کے اندر فطری طور پر موجود ہوتا ہے، پھر جب نجمہ باجی کالج میں کنسرٹ کرانے کے لیے تیار ہوتی ہے تو رفعت اُسے سمجھاتی ہے کہ اس طرح کے کنسرٹ، ''نفس کی تسکین'' کا سامان (۱۸) بنتے ہیں مگر نجمہ چلی جاتی ہے۔باقر بھائی کے گھر سے میاں جان کے نام رفعت آپا کے لیے رشتے کا خط آیا مگر رفعت آپا نے انکار کر دیا کیوں کہ:''جس شخص کے لیے زندگی زیب و زینت و آرائش اور لہو و لہب جیسی معمولی چیز ہے، وہ کیوں کر کسی اور کی زندگی کو ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ سہارا دے سکے گا''۔(۱۹)

افسانہ نگار نے بامقصد زندگی گزارنے کا ایک تصور دیا ہے۔افسانے میں منظر کشی بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے مگر طوالت کھٹکتی ہے۔بعض حصوں کو مختصر کر کے افسانے کی طوالت ختم کی جا سکتی تھی۔بہر حال یہ ایک کامیاب افسانہ ہے۔

افسانہ ''ساحل سے طوفان کا نظارا'' ایک نئی جہت میں ہمارے سامنے ہے۔''بھائی جان'' سے، جو خاندان بھر کے چہیتے ہیں، والدین نے بہت سے ارمان وابستہ کر رکھے ہیں۔وہ ذہین و فطین، لائق، ہونہار اور سعادت مند تھے۔علمیّت ان پر ختم تھی۔مقابلے کا امتحان دے تو دیا مگر جب مبشر بھائی کے ساتھ ان کی ملاقات بڑھی تو زندگی کا سارا رُخ ہی تبدیل ہو گیا اور پھر ان

کے شب وروز کے معمولات، عادات، خیالات، دلچسپیوں میں یکسر تبدیلی نے سبھی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ بھائی جان نے عزت اور ذلت کے معیارات کو تبدیل کر دیا تھا۔ والد اسے اپنی بے عزتی اور سبکی سمجھے مگر بھائی جان نے غریبوں کے محلے میں جا کر ان کی خدمت ہی کو اہم گردانا۔ افسانے کے درج ذیل چند جملے معنی خیز ہیں:

❖ ''جب زندگی کی منزل بدل جاتی ہے، تو راہ بھی بدل جاتی ہے''۔(۲۰)

❖ ''وہ [اونچی] شان چھوڑ کر نہ معلوم کس دنیا میں چلے گئے تھے۔ ان کے لیے ماحول بدل چکا تھا، انسان بدل چکے تھے''۔(۲۱)

گھرانے کے سبھی افراد جس ساحل پر کھڑے زندگی کے طوفانوں کا نظارہ کرتے ہیں، وہ پورے معاشرے کا گھرانا ہے۔ جہاں ''ساحل'' دراصل عافیت کی پناہ گاہ ہے۔ ابن فرید تصور یہ دیتے ہیں کہ با مقصد زندگی، آزمائش کا راستہ ہے۔ ''دنیا کیا کہے گی'' اس کی پروا نہ کرو۔ پھر یہ کہ مقصد صحیح ہو اور اس پر پختہ یقین ہو تو ماں باپ بھی صراط مستقیم پر جانے سے نہیں روک سکتے۔

مندرجہ بالا مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ ابن فرید کے موضوعات میں تنوع ہے۔ کہیں مغربی تہذیب کا کھوکھلا پن نظر آتا ہے، کہیں بے راہ روی کے اسباب تلاش کرتے اور کہیں احساس دلاتے ہیں کہ انفرادی رویے اور معاشرتی بے ضابطگیاں اور عادات ومزاج کی ناپختگی کے نقصانات صرف متعلقہ فرد ہی کو نہیں، پورے خاندان کو اٹھانے پڑ جاتے ہیں۔

ابن فرید کے بعض افسانے، ایسے کرداری افسانے ہیں، جن میں مرکزی کردار صالح اقدار، مثبت طرز فکر اور ایک پاکیزہ زندگی کی علامت ہیں۔ ابن فرید نے ایسے کرداروں کی زندگی کو افسانوی رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ ''رشک کرتا ہے سوادِ آسماں'' کی مدّو، ''چاند، سمندر اور شہر'' کا ایئر مین اور ''گیارہ آدمی اور ایک جزیرہ'' کا نوجوان، ان افسانوں کے مثالی اور صالح کردار ہیں۔ ابن فرید نے ان کا کوئی نمایاں عیب نہیں بتایا۔ دو افسانوں ''رشک کرتا ہے سوادِ آسماں'' اور ''گیارہ آدمی اور ایک جزیرہ'' میں تو افسانوی رنگ غالب ہے۔ افسانہ کرداروں اور مکالمے کے سہارے آگے بڑھتا ہے، پلاٹ پر ابن فرید کی گرفت مضبوط ہے، البتہ ''چاند، سمندر اور شہر'' اور ''کوئی امید، کوئی تمنا'' میں خود کلامی کا عنصر غالب ہے۔ انھیں افسانوں کے بجائے رپورتاژ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض افسانوں میں مصنف کا اپنا ماضی بھی جھلکتا ہے، مثلاً: ''رشک کرتا ہے سوادِ آسماں'' اور ''ایک دن وہ بھی'' میں تو خود ان کی اپنی زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں تحریر کردہ مؤخر الذکر افسانے میں انھوں نے اپنے اوپر بیتی کیفیات کی افسانوی جھلک دکھلائی ہے۔ پہلے افسانے میں جارج ایلیٹ کے The Mill on the Floss کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ دوسرے ابن فرید کے اس افسانے میں بقیہ افسانوں سے ہٹ کر افسانوی فضا ہلکی پھلکی محسوس ہوتی ہے، جیسے زندگی کی حقیقی تصویر کشی کی گئی ہو۔

ابن فرید سمجھتے ہیں کہ عشق ومحبت کے فطری جذبات کے اظہار کے لیے میاں بیوی کا رشتہ ہی موزوں تر ہے۔ شریک حیات کا جو تصوّر ابن فرید کو ان کی ''مدّو'' نے دیا، ابن فرید اس سے پوری طرح محظوظ ہوئے۔ زندگی کی آزمائشوں میں بھی جس جس طرح مدّو نے انھیں سہارا دیا، اس سے لگتا ہے کہ وہ افسانوی کردار ہے مگر افسانہ نویس نے اس کی تخلیق کر کے، کردار کے ذریعے عورت کی عظمت کا ایک تصور دیا ہے۔ یہاں ابن فرید کا قلم اور ان کا فن پوری جولانیِ طبع دکھاتا ہے، مثلاً:

v ''میں نے محسوس کیا کہ وہ میری روح کی پہنائیوں میں اتر کر مجھے جیت لینے کی کوشش کرتی ہے اور اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہوں اور وہ مجھے اپنی محبت دیتی ہے، جیسے میں اس کا محبوب ہوں''۔(۲۲)

v ''وہ اس کی زندگی میں بھی اچانک آ گئی تھی اور آئی تو بھرپور آئی، سارا سب کچھ ساتھ لے کر۔ ایک سفر جو وہاں سے نئے سرے سے شروع ہوا تھا۔ یہ طمانیت اور اعتماد زندگی بھر قائم و باقی رہا۔ ہم جب بھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، تو مسکرا دیتے۔ ایک دوسرے پر انحصار و امتنان، ایک مرغزار تھا، جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس سرسبزی و شادابی کے بیچ میں وہ اس کے ساتھ اس جوڑے کی طرح بیٹھا تھا، جو گرد و پیش کو بھول کر اپنے آپ میں گم تھا''۔(۲۳)

رومانویوں کی طرح ابن فرید نے اپنی روح کو تازہ کرنے کے لیے ماضی کی حسین یادوں کو قلم بند کیا، شاید خوب صورت یادیں زندگی کی تلخ کامیوں میں سہارا دیتی ہیں۔

ابن فرید کے افسانوں کا ایک اور بڑا موضوع ''فسادات'' ہے۔ مجموعہ خوں آشام میں اسی موضوع کے افسانے یکجا کیے گئے ہیں۔ ان افسانوں سے ہمارے دانش ور طبقے پر آزادی کے بعد سب سے زیادہ غالب اثر فسادات کی اندوہ ناکی کا تھا۔(۲۴) اس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کا شاید ہی کوئی افسانہ نویس ہو جس نے اس موضوع پر قلم نہ اٹھایا ہو۔ یہ سب افسانے ۱۹۴۷ء کے آس پاس لکھے گئے اور تقسیم ہند کے زمانے کے فسادات ان کا موضوع ہیں' لیکن خوں آشام کے زیر نظر افسانے تقسیم ہند کے بعد کی نصف صدی میں پیش آمدہ فسادات کے متعلق ہیں۔ یہ فسادات جنھیں عرف عام میں ''ہندو مسلم فسادات'' کہا جاتا ہے، تقسیم وطن کے بعد کی نصف صدی میں بھی جاری رہے۔ وسیع پیمانے پر ہونے والے یہ فسادات تقسیم ہند کے حامیوں کے خوابوں کی شکست تھی۔ یہ خیال بھی خیالِ خام ثابت ہوا کہ تقسیم وطن کے اثرات وقتی یا ہنگامی ہیں۔ یہ اثرات دیرپا تھے۔(۲۵) ابن فرید کہتے ہیں:

''فسادات کا سلسلہ پچپن سال گزر جانے کے باوجود بند نہیں ہو رہا ہے اور نہ بند ہونے کی توقع ہے''۔(۲۶)

خوں آشام میں شامل افسانے، نصف صدی بعد کے عرصے کے، اُن فسادات کے احوال و مسائل کا احاطہ کرتے ہیں، جو بھارت میں مسلم کش بنیادوں پر ہوئے۔ ابن فرید نے زندگی کا بڑا حصہ علی گڑھ میں گزارا، وہاں فسادات کی ہولناکیوں کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ ابن فرید نے علی گڑھ میں بربریت کے قصے اس مہارت سے بیان کیے ہیں، جیسے وہ کیمرہ مین ہوں۔ حساس لوگوں پر فسادات کے دنوں میں جو کچھ بیت رہا تھا، گویا ان احساسات کو لفظوں کا جامہ پہنا دیا ہے۔ انتشار، توڑ پھوڑ اور درندگی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ایک مذہب والوں کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ دوسرے مذہب والوں کی پوری پوری نسل تہ تیغ کر ڈالیں۔ خون کی ندیاں رواں ہو جائیں اور درندگی، انسانیت کی یوں بے توقیری کرے کہ انسان خود شرما جائے۔

خوں آشام کے تقریباً تمام ہی افسانے ان فسادات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان میں زمانی یا مکانی تخصیص نہیں ہے۔ تقسیم ہند کے بعد جو افسانے لکھے گئے، ان کے بارے میں شمیم حنفی کا خیال ہے کہ: ''ان پر فکری عجلت کا رنگ غالب ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ لکھنے والوں کو سوچنے اور اپنے احساسات کا تجزیہ کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی'' (۲۷) مگر ابن فرید کا معاملہ مختلف ہے اور ان کے افسانوں کے بارے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ ماسوا تین افسانوں ''آزادی'' (۱۹۴۹ء)، ''مدفون زندہ'' (مئی ۱۹۸۴ء) اور ''ایک ادنیٰ حادثہ'' (۱۹۸۶ء) کے، باقی سارے افسانے ابن فرید کی زندگی کے آخری ۲۲ رسالوں کی تخلیق ہیں۔ گویا یہ افسانے ان کے فہم وشعور کی زیادہ پختگی کے زمانے کے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو اپنے عواقب وانجام اور واقعاتی یکسانیت کی بنا پر، فسادات کے دور کی ہر کہانی ایک ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصل حقیقت جو لکھنے والا، ان افسانوں سے عیاں کرنا چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ شیطان کے کارندوں کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، اور ان کے روپ بہروپ بھی بے تحاشا ہیں۔

ابن فرید کا خیال ہے کہ ان فسادات کا بیج انگریز بو گئے تھے۔ انھوں نے ہندستان کو تقسیم کر کے یہ آگ لگائی تھی لیکن سارا الزام انگریزوں کو دینا بھی ٹھیک نہیں، ابن فرید اپنوں کے بعض رویوں پر بھی شاکی ہیں۔ تقسیم ہند کے باعث کیا مسائل پیدا ہوں گے؟ اس پر کسی نے غور نہ کیا۔ ابن فرید کے خیال میں تقسیم ہند تو ان فسادات کا نکتۂ آغاز تھا۔ فسادات اب بھی جاری ہیں اور انجام، آج ۵۵ رسال گزرنے کے بعد بھی نہیں آیا۔ مسلم کش فسادات کا اصل سبب بھارتی مسلمانوں کا اپنی شناخت پر اصرار ہے۔ جس دن یہ شناخت، بھارت کی شناخت میں گم گئی، اسی دن فسادات کا یہ سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

فسادات اپنے جلو میں گوناگوں مصائب ومعائب اور بے پناہ کلفتیں لے کر آتے ہیں۔ افسانہ ''تنہائی'' میں احساسِ بے امانی نمایاں ہے جو فسادات کے نتیجے میں پیدا ہونے والا ایک شدید مسئلہ ہے مگر اس کا کوئی حل کسی کے پاس نہیں ہے۔ ابن فرید کے بقول انھوں نے ''ہر افسانے میں کچھ نہ کچھ نوافگنی کی کوشش کی ہے اور..... فسادات کے موضوع میں معروضیت رکھنا اور عصبیت سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے''۔ (۲۸)

''خزاں تو پھر خزاں ہے'' کی تکنیک نئی ہے۔ فضا کی ہر چیز بے معنی ہے، زمین کا ہر انسان، بے زار اور خائف ہے۔ دوسروں سے اجنبیت اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ دراصل اس افسانے کے مرکزی کردار کی اپنی نفسیاتی وذہنی کیفیت ہے۔ ۱۹۹۳ء میں لکھے گئے اس افسانے میں خودکلامی کی تکنیک استعمال کر کے نفسیاتی طور پر بے بس شخص کی باطنی کیفیت کو آشکار کیا گیا ہے۔ ذیل کے چند جملے اس کیفیت کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔

- ''اس نے اخبار کو چاروں رخ گھمایا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کدھر سے سیدھا ہے اور کدھر سے الٹا، اور وہ کس رخ سے اسے پڑھے۔ یہ خط تحریر تو بالکل اجنبی ہے''۔ (۲۹)
- ''دودھ والے نے برتن میں دودھ انڈیل دیا۔ لال لال سا۔ ''یہ کیا؟'' ''پیو پیو''۔ دودھ والے نے روکھائی کے ساتھ کہا: ''یہ اس کا ہے''۔ (۳۰)
- ''اس نے بے اعتنائی کے ساتھ سڑک کی طرف دیکھا، وہاں ایمبولینس کے پہیوں کے نشانوں پر کچلی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں''۔ (۳۱)

ابن فرید کے ان افسانوں میں تقسیم ہند کے بعد کی ۵۵ سالہ تاریخ کے رستے ہوئے ناسور ہیں۔ انھوں نے ان زخموں کو کرید کرید کر جو کہانیاں لکھی ہیں، وہ ایک جہانِ معنی لیے ہوئے ہیں۔ ''یکہ وتنہا'' میں بتایا گیا ہے کہ ایک بچہ فسادات کے شکار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ خاندان سے واحد بچ جانے والا یہ بچہ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر بالآخر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ ایسے بے حس معاشرے کی بے حسی کی کہانی ہے، جس میں ایک زخمی اور بھوک کے ستائے ہوئے مجبور بچے کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہے اور کوڑا گاڑی اس کی لاش کو اٹھانے میں کوئی تاخیر نہیں کرتی۔

''مدفون زندہ مٹی'' میں ابن فرید نے تجسیم کاری (Personification) سے بھی کام لیا ہے۔ چاندنی اور نوجوان باہم متعارف ہوتے ہیں۔ مسلم کش فسادات کی اصل اور جڑ کیا ہے؟ یہ اس افسانے کے بعض جملوں سے بخوبی عیاں ہوتی ہے:

v ''اپنی شناخت کے ساتھ تم ہماری بلندیوں پر نہیں ٹھہر سکتے''۔ (۳۲)

v ''تم تب ہی اندر آؤ گے جب تم اپنی شناخت مٹا دو گے''۔ (۳۳)

بے شناخت مسلمان، اپنے ہی گھروں میں چیونٹیوں کی طرح مسلے جاتے ہیں۔ مروہ پتنگے کی متلاشی چیونٹی کس طرح تگ ودو کرتی ہے۔ اس طرح کی تفصیلی منظر نگاری میں ابن فرید اپنی تمام تر فنی مہارت بروئے کار لائے ہیں۔ افسانے کا کلائمکس بہت خوبصورت ہے۔ لکھتے ہیں: ''اتنی معمولی سی بات بھی کون سی اہم تھی؟ حشرات الارض تو روز ہی مرتے ہیں''۔ (۳۴)

اس افسانے کے بارے میں ابن فرید خود وضاحت کرتے ہیں کہ ''مدفون زندہ مٹی'' ایک ایسا افسانہ ہے، جس میں کوئی کہانی بیان نہیں کی گئی ہے، پھر بھی اس میں ایک کہانی ہے جسے بہت غیر واضح احساسات وجذبات کو مہیجات (stimulus) فراہم کر کے اپنے روزمرہ کے تجربات کی دنیا سے اپنا ماجرا خود تشکیل دے لینا ہے''۔ (۳۵)

یہ پورا افسانہ علامتی ہے۔ اسی طرح ''حکم عقوبت سے پیشتر'' میں بعض اوصاف (انصاف، بے بسی، پست حوصلے، ٹوٹی ہمتیں) کو مجسم شکل میں پیش کیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے افسانوں میں مخصوص کردار نہیں ہیں، بلکہ ''وہ'' (واحد غائب) سے جس جس کردار کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ان سب کی ذہنی وقلبی کیفیات کو کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے۔ ابن فرید نے فسادات کے دوران میں ہونے والے بہت سے واقعات کو افسانوی رنگ دینے کی کاوش کی ہے۔

ابن فرید کے افسانے ان کے گہرے تفکر اور فلسفیانہ سوچ کا ثبوت ہیں۔ ان کا ہاتھ حوادث اور واقعات کی نبض پر ہے۔ ان حوادث وواقعات کو انھوں نے افسانے کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

البتہ ''خدا بادشاہ'' کو افسانہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ''خدا بادشاہ'' کہلانے کے آرزومند دنیا کے فانی اور عارضی خداؤں کی کہانی ہے کہ انھوں نے کس طرح اپنے اختیارات کو لامحدود سمجھا۔ ایسا بادشاہ کبھی سات بیٹیوں کا باپ ہے، کبھی نمرود اور کبھی فرعون، اور اب عصر حاضر کے بعض آمر بھی ایسے بادشاہ کے روپ دھارتے رہتے ہیں۔ افسانہ حقیقت نگاری کا دوسرا نام ہے۔ بقول کرشن چندر:

''اعلیٰ پائے کی افسانہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقت کے قریب ہو اور حقیقت کی قربت اسی وقت میسر

آ سکتی ہے جب کہ تخلیق میں ماحول کا رنگ جھلکے اور کردار کا رنگ و روپ نظر آئے۔.....میں افسانے کو مجرد تجربہ نہیں مانتا بلکہ ایک سماجی تجربہ یا تخلیق سمجھتا ہوں''۔(۳۶)

ابن فرید کے افسانے اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ انھوں نے سماجی تجربے کے جس عنصر پر انگلی رکھی ہے، وہ دکھتی رگ کی طرح ہے۔اس کا بدن زخموں سے چُور چُور اور روح پیاسی ہے، اس لیے ان افسانوں کے مکالموں اور فضا میں بعض اوقات تلخی کا احساس ہوتا ہے۔

فسادات کے تحت لکھے گئے افسانوں کا یک موضوع تو یہ تھا لیکن ایک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ کچھ مجبور و بے کس لوگوں کو عقوبت خانوں میں بھجوا دیا جاتا ہے۔ایوان ہائے عدل سے ان کے لیے کیا حکم نامہ جاری ہوتا ہے، وہ کس طرح شب و روز بسر کرتے ہیں؟ ان کے خواب کس طرح ٹوٹتے اور بکھرتے رہتے ہیں؟ ان کی عکاسی اس طرح کے جملوں سے ہوتی ہے۔

v بے بسی رینگ کر اس کے ساتھ پسپا ہوگئی''۔(۳۷)

v ''پست حوصلے اور ٹوٹی ہمتیں شل قدم قدم اٹھاتی ہوئی اپنی کوٹھیوں کی طرف چلی گئیں''۔(۳۸)

یہاں ''پست حوصلے''، ''ٹوٹی ہمتیں'' ایسے کردار بن گئے ہیں، جن کا مقدر شکست ہے۔

ابن فرید نے چند افسانے اسرائیلی اور اساطیری انداز و اسلوب میں لکھے ہیں۔تاریخ کے کسی واقعے کو پلاٹ اور کرداروں کے ذریعے افسانوی رنگ میں پیش کرنے کا فن ابن فرید کو خوب آتا ہے۔''دامن یوسف'' کا موضوع پرانا ہے یعنی شیطان ہر دم بنی نوع انسان کی گھات میں ہے۔اُسے راہ راست سے ہٹانے اور گمراہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ جریح ایک ولی صفت کردار ہے۔افسانہ طویل ہے مگر تکنیک عمدہ ہے۔سسپنس برقرار رہتا ہے۔کتاب کے آخر میں ابن فرید نے وہ حدیثِ مبارکہ درج کی ہے جس کی روشنی میں یہ واقعہ، افسانوی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس نوع کی دوسری کہانی ''دام ہم رنگِ زمیں'' ہے۔اس میں انسانی توہمات کی تفصیلی منظر کشی ملتی ہے۔ابن فرید کے افسانوں کے کردار معاشرے کے جاندار اور اعلیٰ اوصاف کے حامل کردار ہیں، اور اپنی انفرادی خوبیوں کے باعث ممتاز نظر آتے ہیں۔یہ کردار معاشرے میں لوگوں کے متضاد رویوں کی وجہ سے مخالفانہ ماحول اور منفی رویّوں کے سدِّ راہ بن کر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے ڈھب پر لانے کی تگ و دو کرتے ہیں۔اس تگ و دو میں وہ ہنگامے، تصادم اور کشمکش سے گریز کرتے ہیں۔ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنا مقصد خاموشی سے حاصل کر لیا جائے۔اگر کہا جائے کہ ان کرداروں میں کہیں کہیں، خود ابن فرید کی شخصیت اور کردار کی جھلک نظر آتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔

''عشرت لاج میں ایک اجنبی'' کا مرکزی کردار اسلم بھائی اُس کی ایک مثال ہے۔وہ پُر تصنع زندگی گزارنے والوں کو ایک خاموش مگر واضح پیغام دیتا ہے۔

''یہ جہاں اور ہے'' کی رفعت آپا بھی اسی طرح کا ایک اور کردار ہے۔وہ زندگی کے بارے میں ایک مخصوص نقطۂ نگاہ رکھتی ہیں۔ان کے کردار کی پختگی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

''گیارہ آدمی اور ایک جزیرہ'' میں ابن فرید نے ایک ایسے ہمدرد، خیر خواہ اور باہمت شخص کی تصویر پیش کی ہے جو ہر شخص کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ جزیرے کے تمام افراد ایک ایک کر کے ہمت ہارنے لگتے ہیں مگر یہ نوجوان ہر ایک کو مطمئن کرنے اور ان کے دکھ دور کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس میں فکرمندی دوسروں کی نسبت سب سے زیادہ ہے اور وہ دعا گو رہتا ہے کہ: ''میرے رب میری مدد کر! مجھے قوت دے، میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کر سکوں۔'' (۳۹) ساتھیوں کی کراہوں اور ان کے بے ہوش ہونے پر اس کا دل رو رہا ہوتا ہے اور جب دس بارہ گز چوڑا جزیرہ کٹ کٹ کر مزید مختصر ہو جاتا ہے، تب بھی وہ پر امید ہے، اور کہتا ہے: ''اوہ، تم اتنی جلدی مایوس ہو گئے۔ جس نے ہمیں اتنے اتنے بڑے خطروں سے نجات دلائی، کیا وہ اب ہم سے نظریں پھیر لے گا''۔ (۴۰)

''ساحل سے طوفان کا نظارہ'' میں بھائی جان کا کردار بھی، نوجوان سے مماثلت رکھتا ہے۔ بھائی جان میں ذہنی تبدیلی آتی ہے، وہ نہ تو یونی ورسٹی کے امتحان میں کامیابی پر مبارکبادیں وصول کرتے ہیں اور نہ ملازمین کے سامنے اپنے ''وقار'' کا خیال رکھتے ہیں کیونکہ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ: ''جب زندگی کی منزل بدل جاتی ہے تو راہ بھی بدل جاتی ہے''۔ (۴۱) اور جب والد صاحب، مقابلے کے امتحان میں درخواست دینے کو کہتے ہیں تو ان کا موقف یہ ہوتا ہے: ''ابا جان! [افسر بن کر] انسانوں پر خدائی کرنے کو میرا دل آمادہ نہیں ہو رہا ہے''، اور جب والد کہتے ہیں: ''پاگل نہ بنو، تمھیں اپنے مستقبل کی فکر کرنی ہوگی'' تو بھائی جان کا جواب ہے: ''مگر مستقبل ان ملازمتوں اور ان نمائشی زندگیوں ہی تک تو محدود نہیں ہے''۔ (۴۲)

سلیم شہزاد کے خیال میں بھائی جان کا کردار ''ادبِ اسلامی کی تحریک سے جڑے ہوئے فن کاروں کا آئیڈیل کردار ہے''۔ (۴۳)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن فرید کا مثالی کردار نام بدل بدل کر مختلف افسانوں میں جھلک دکھاتا ہے۔ وہ ایک واضح فکری سمت اور نظریاتی شعور رکھتا ہے۔ تعلیم و تربیت یافتہ ہے، وہ زندگی کی مثبت قدروں کا حامل ایک ذمہ دار اور باضمیر انسان ہے۔ ''رشک کرتا ہے سوادِ آسماں'' کا مرکزی کردار تو وہ خود ہی معلوم ہوتے ہیں، جو کہتے ہیں:

''دفتروں کے لیے مجھ جیسا فرد قطعاً موزوں نہیں ہوتا ہے جو اپنا ضمیر فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، جو ایسے رزق پر موت کو ترجیح دیتا ہے، جس سے زندگی کی رفعتیں داغ دار ہوں۔ اس نظام سے اور نظام کے کل پرزوں سے مصالحت کرنے کے لیے میں آمادہ نہیں ہوں''۔ (۴۴)

ایسے کرداروں کی تشکیل کے پس پردہ ابن فرید کا وہ ''مستقل زاویۂ نظر'' اور ان کی مخصوص نظریاتی سوچ کارفرما رہتی ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں ایسے کرداروں سے شب و روز واسطہ پڑتا ہے۔ ابن فرید کے ہم عصر افسانہ نگاروں میں م نسیم کا کردار ''نورِ الٰہی'' بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔ (۴۵)

ابن فرید کے کردار جس معیار اور مرتبے پر رہ کر اپنی تصویر پیش کرتے ہیں، اسے دیکھ کر نذیر احمد کے مثالی کرداروں کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مغربی تعلیم اور تہذیب کے منفی پہلو ابن فرید کے ذہن میں بخوبی واضح ہیں، شاید اسی لیے وہ مشرقی

اقدار کے حامل ایسے کردار پیش کرتے ہیں جو پاک باز ہیں اوران کی زندگی بھی پاکیزہ ہے۔ان کے مزاج میں سرکشی، نفس پرستی، من مانی یا 'میں' جیسا کوئی بھی منفی جذبہ موجود نہیں ہے، اور بسا اوقات یہ کردار انسان نہیں بلکہ فرشتے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ڈاکٹر محمود شیخ ،ابن فرید کے اس نوع کے کرداروں پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

''ان کا قلم ایک ایسے انسان کا متلاشی ہے، جس میں دور حاضر کا علم وتدبر تو ضرور ہو، مگر اس کی بنیاد مشرقی تہذیبی قدروں پر بھی استوار ہو۔وہ محض نفس انسانی کے ذاتی تجربوں پر یقین نہیں رکھتے۔ان کے یہاں روحِ انسانی کی خفتہ قوتوں کے اسرار جگنوؤں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں''۔(۴۶)

ابن فرید زندگی کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور کرداروں کی باہمی کشمکش سے وہ اپنے نظریے کو اجاگر کرتے ہیں۔سید عبدالباری کہتے ہیں:

''وہ اپنے کرداروں کی فکر اور محسوسات کی دنیا کو اچھی طرح ٹٹولتے ہیں۔پھر تصادم کی وہ شکلیں رونما ہوتی ہیں، جو خود اس ماحول کے کسی چشم و چراغ کے اندر ضمیر کی چنگاری کے شعلۂ جوالہ بن جانے کی وجہ سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ابن فرید کے آئیڈیل کردار عجیب خود اعتمادی، احساسِ ظفر مندی اور ولولہ و آرزو سے بھرپور نظر آتے ہیں'' (۴۷)۔

تخلیق کار کی باطنی دنیا سے کردار کا رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے۔اسی سے کردار کا منصب پختہ، حقیقی اور صحیح جہت میں قائم ہوتا ہے، اور واقعات کے ٹھہرے ہوئے منظر نامے میں ارتعاش پیدا کر کے، قاری کی حسیات سے جا کر منسلک ہو جاتا ہے۔حمید شاہد اسے ''انسانی حوالہ'' کا نام دیتے ہیں۔(۴۸) ابن فرید کے ہاں یہ انسانی حوالہ بکثرت پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے افسانوں کے کردار ہمارے اپنے ماحول اور اپنے معاشرے کے کردار معلوم ہوتے ہیں۔

اس نوع کے کرداروں کی تخلیق اور تراش خراش کے پیچھے یہ جذبہ ہوتا ہے کہ اجتماعیت کے اخلاقی اصولوں کی سمت معین کی جائے۔جب پریم چند، منٹو، اور راشد الخیری اپنے مخصوص ذہنی وفکری رجحانات کے بل پر گھیسو، نصیر اور خدیجہ کے کردار تشکیل دیتے ہیں، تو ابن فرید کے ہاں بھی وہی احساس کارفرما نظر آتا ہے۔

ابن فرید کے افسانوں میں ان کے مثالی نسوانی کردار ہمیشہ فرض شناسی اور گھریلو ذمہ داریوں کے امین نظر آتے ہیں۔سانتا کلاز کی ''مرتھا'' زندگی کے پھیر چکر میں آ کر اپنا موازنہ قریب کے خوش حال گھرانوں سے کرتی ہے، محض اس لیے کہ ایسے امیر خاندانوں کے بچے اور خواتین مرتھا اور اس کے بچوں کے لباس اور رہن سہن کو نشانۂ تضحیک بناتے ہیں لیکن اس ذہنی خلفشار کے باوصف، وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں کوتاہی نہیں کرتی، اور نہ روایتی عورتوں کی طرح اس ساری صورتِ حال کا ذمہ دار شوہر کو سمجھتی ہے۔وہ اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرتی ہے۔اپنی سلیقہ شعاری سے بچوں کو ان کی ضروریات مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو دلی اطمینان دلانے کی بھی پوری کوشش کرتی ہے۔بالعموم افسانہ نگار ایسے ذمہ دار کرداروں کی تخلیق سے قاصر رہے ہیں۔

جو افسانے فسادات کے موضوع پر ہیں، ان کی عورتیں صریحاً مظلوم ہیں۔درندگی، بہیمیت اور سفاکی کے ہاتھوں

مجبوران عورتوں کے کئی نام ہیں، اور یہ مختلف حالات وواقعات سے گزر کر بے چارگی اور بے بسی کی کھلی تصویر بن جاتی ہیں، اس کے باوجود وہ اپنی عزت اور جان ومال کی قربانی دیتی ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ ابن فرید کے کردار صحت مندانہ معاشرتی روایت کے اسیر ہیں اور بالعموم شرم وحیا کا پیکر نظر آتے ہیں، جبکہ برعظیم میں جدید تہذیبی تبدیلیوں کے اسیر کردار نجمہ اور شمی کی صورت میں پیش کیے ہیں جن میں بلا کا اعتماد ہے جو کسی حد تک خود پسندی میں بدل جاتا ہے۔

بڑا کاہن اور جرتیح ابن فرید کے ان دو افسانوں کے کردار ہیں، جو اساطیری روایات پر مبنی ہیں۔ بڑے کاہن کے ساتھ اجنبی کا کردار کہانی کے واقعات کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا ہے۔ بڑے کاہن کی سلطنت پر اجنبی جس طرح شب خون مارتا ہے اور عوام میں یہ احساس بیدار کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے کہ بڑا کاہن ان سے جس معبود کی پرستش کروا رہا ہے، وہ ان کی تمام تر ضروریات پوری کرنے والا معبود نہیں ہے، اس کی بجائے وہ انھیں ایک نیا معبود (بُت) نصب کرکے دے جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے غائب ہوجاتا ہے۔ یہ کردار ابن فرید کا ایک اور جاندار کردار ہے۔

''دامن یوسف'' کے جرتیح، بشامتھ اور حور کے کرداروں کی تشکیل بھی بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں بیان کردہ اس افسانے میں کوئی بات زائد یا کم نہیں ہے۔ ان کے مکالمے، کردار اور مناظر پورے حزم واحتیاط کے ساتھ تخلیق اور قلم بند کیے گئے ہیں۔ حقیقی واقعات کی تصویر کشی ایک نازک معاملہ ہوتا ہے۔

''خدا بادشاہ'' ماضی کے بہت سے کرداروں کی ''فرعونیت'' کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ ہر دور کے نمرود اور فرعون اور خدائی کے دعوے دار رہے ہیں۔ ان کے کردار تقریباً ایک جیسے ہیں۔ یہ ''خدائے شر'' کے کارندے ہیں جو ازل سے ابد تک اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔ ان کرداروں سے افسانہ نگار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

> ''ہمت نہ ہارو، باطل ہمیشہ خود کو بے حد قادر وقہار، قوی وجبار تصور کرتا ہے لیکن جب وہ حق کے سامنے آتا ہے تو بے وقعت ہوجاتا ہے اور اس کا زعم پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا ہے..... لیکن نہ فرعون موسیٰؑ کو ختم کرا سکا، اور نہ خدا بادشاہ کی اُمت کو شر کے علم بردار فنا کر سکے''۔ (۴۹)

''بازدید'' کا مرکزی کردار لوٹنے اور فسادات میں براہ راست حصہ لینے والا شخص ہے۔ تاراج کرتے وقت تو وہ دولت کے نشے میں دھت خوب لوٹ مار کرتا ہے۔ آگ لگانے، قتل وغارت گری کرنے اور سونے بھرے بازو کو کاٹنے جیسے سبھی کام تو کرتا رہتا تھا، مگر دو تین ماہ ہی میں اس کی حسیات اس کے ضمیر پر بوجھ بن گئیں، اور اپنی لوٹ مار کی فلم، سانپ بن کر اس کے سینے پر لوٹنے لگی۔ یہاں اس کی بیوی اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اور مشورہ دیتی ہے کہ وہ گھر سے باہر جا کر گھوم پھر آئے، تاکہ ماحول خوش گوار رہے۔

ابن فرید کے اکثر افسانے بیانیہ ہیں، چنانچہ مکالموں کے طویل سلسلوں کی نوبت کم آتی ہے، لیکن جہاں بھی مکالمے آئے ہیں، وہاں کرداروں کی گفتگو، ان کی عمر، تعلیم، مزاج، تعلیم وتربیت، ماحول اور سوچ کے مطابق ہے۔ ابن فرید کے کردار بالعموم

کم گو ہیں جو عموماً جامع اور مختصر گفتگو کرتے ہیں، بایں ہمہ قاری مکالمے میں مستور مفہوم کو بسہولت سمجھ جاتا ہے۔ اس ضمن میں ''گیارہ آدمی اور ایک جزیرہ'' میں نوجوان کے مکالمے خصوصاً اہمیت رکھتے ہیں۔ جزیرے میں مشکل حالات کی باتیں ہو رہی تھیں، لیکن نوجوان انتہائی اختصار کے ساتھ بامعنی، اور حکمت بھری گفتگو کر کے دیگر لوگوں کی سوچ کو ایک مثبت رنگ دینے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ مثلاً:

v ''اگر مرنا ہی ہے تو بے بسی کی موت نہ مرو''۔ (۵۰)

v ''گھبراؤ مت، ہم اب بھی محفوظ ہیں، آؤ ہم دعا کریں کہ ہمارا رب ہمیں اس مصیبت سے نجات دے'' ۔(۵۱)

ابن فرید نے مکالموں کے ذریعے کرداروں کے آہنی عزم، ناقابل شکست یقین، اور اپنے نظریے کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی کو نمایاں کیا ہے۔ یہ مکالمے کرداروں کی واضح شناخت کا باعث بن جاتے ہیں، جیسے ''رشک کرتا ہے سواد آسماں'' میں مدّو کا ایک اعتماد و یقین سے یہ کہنا کہ مجھے مستقبل کی فکر نہیں ہے، اگر ضمیر کسی کام پر آمادہ نہ ہو، تو پھر اسے ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔

v ''آپ کا ضمیر گوارا نہیں کرتا، تو ملازمت چھوڑ دیجیے''۔ (۵۲)

v ''آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ میں تو فاقہ کرنے کے لیے بھی تیار ہوں لیکن آپ ضمیر فروشی نہ کریں''۔ (۵۳)

پھر وہ کہتی ہے:

''وے آئے آپ استعفا؟۔ بہت اچھا کیا۔ میں نے بھی آپ کی خاطر سب انتظام کر رکھا ہے۔ آپ کے لکھنے پڑھنے کے لیے کمرہ ٹھیک کر دیا ہے، کاغذ وغیرہ منگا کر رکھ دیا ہے۔ اب آپ لکھنے لکھانے کا کچھ کام کیجیے، تھوڑی بہت فکریں دور ہو جائیں گی''۔ (۵۴)

''دامن یوسف'' میں بشامتھ اور جریح کے مکالمے ان کی گہری سوچ اور پختہ فکر کی غمازی کرتے ہیں۔ بشامتھ ایک گناہ گار عورت ہوتے ہوئے بھی اپنے کیے پر بہت مطمئن ہے۔ جُریح ایک مقدس اور پاکباز شخص ہے مگر بشامتھ اس کو بھی چیلنج کرتی ہے: ''اگر تم کہو تو میں جریح کو فتنہ میں ڈال سکتی ہوں''۔

''بشامتھ کیا نہیں کر سکتی''۔

''بشامتھ کے حسن کی یہ توہین ہے! کیا تو نہیں جانتی، کہ میری خوبصورتی بنی اسرائیل میں ضرب المثل ہے''۔ (۵۵)

دوسری طرف جریح کے مکالمے بھی پاکیزہ خیالات کے عکاس ہیں۔ وہ ہمدردی اور اعانت کے لیے تیار ہے، مگر جہاں اس کو غلط کام کی طرف مائل کیا جاتا ہے، وہ رب کی طرف رجوع کرتا ہے کہ وہی اس شر سے نجات دلا سکتا ہے، اس کا یہ عقیدہ بار بار اس کے مکالموں سے جھلکتا ہے:

v ''خداوند خدا! تو نے مجھے یوسف کی طرح بچایا، اور ابی ملک [کذا] کی طرح محفوظ رکھا تو پاک ہے اور مجھے بھی

پاک رکھ تا کہ میں تیری غضب سے اور بنی یہوداہ کے ہاتھوں رسوائی سے محفوظ رہ سکوں''۔(۵۶)

v ''وہ میری بھی سنتا ہے اور تیری بھی! جو عاجزی سے اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے، رب عظیم اسے بلند کرتا ہے''۔(۵۷)

ابن فرید نے روایتی قسم کے افسانے نہیں لکھے۔ حلقۂ ادب اسلامی کے ساتھ وابستہ سارے ہی افسانہ نویس اپنی فکری جہت میں اس زمانے کے افسانہ نویسوں سے مختلف اور منفرد تھے۔ ابن فرید نے بھی اپنے افسانوں میں مقصدیت کو پیش نظر رکھا۔ یہ مقصدیت کیا تھی؟ ابن فرید کی مقصدیت ''فن برائے زندگی'' اور ''زندگی برائے بندگی'' کے اصول کے تابع تھی اور تہذیب، انسانیت، اخلاق، توازن اور حسن و جمال کے عناصر اس اصول کے مختلف عنوان تھے۔ ڈاکٹر محمود شیخ ''ابن فرید کی افسانہ نگاری'' کے عنوان سے ان کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن فرید دراصل مغربی تہذیب کی بے راہ روی سے سخت نالاں ہیں اور ایک حساس فن کار کی طرح اس کے خلاف اپنا احتجاج ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے یہاں مشرقی اخلاقی قدروں سے گہری وابستگی کا اظہار ملتا ہے۔ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے پروردہ افراد میں احساس خودی بیدار کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسان اس مشینی نظام حیات کا بھی پرزہ بن کر نہ رہ جائے''۔(۵۸)

لیکن مقصدیت کے پیش نظر انھوں نے فن کے تقاضوں کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ مقصد کو ادب میں غیر محسوس طور پر جاری و ساری ہونا چاہیے، تاہم یہ خیال رہے کہ جب مقصد ادب میں کھٹکنے لگے اور فن کار اسے ہضم کر کے جزو ادب نہ بنا سکے تو تخلیق صحیح معنوں میں فن پارے کا درجہ حاصل نہ کر سکے گی۔

ابن فرید مختصر افسانے میں ہیئت اور تکنیک کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کے آخری دور کے افسانوں میں جو زیادہ تر خوں آشام میں شامل ہیں، یہ رجحان نسبتاً نمایاں نظر آتا ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں میں انھوں نے ہیئت اور تکنیک کے چند تجربات کیے۔ یہ تجربات نئے ہیں مگر پُر اثر ہیں۔ ان تجربات میں انھوں نے فن کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ شہزاد منظر لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں صرف وہی افسانے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں جن میں بیک وقت افسانویت بھی ہو اور خیال افروزی اور فکری جہت بھی، فلسفیانہ فکر اوپر سے مسلط کی ہوئی محسوس نہ ہو، بلکہ افسانے کی کوکھ سے نکلی ہوئی معلوم ہو۔ اگر افسانے کی فکری جہت افسانے کا داخلی حصہ بن کر ظاہر ہو تو اس سے بڑھ کر کامیابی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے''۔(۵۹)

افسانے میں مقصدیت کے حوالے سے ابن فرید کے حسب ذیل بیانات قابل توجہ ہیں:

v ''اپنے افسانوں میں مَیں نے ہمیشہ مقصد کو اہمیت دی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر میں نے فن کے تقاضوں کو اولین اہمیت دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر افسانہ فنی حیثیت سے پختہ ہو تو مقصد زیادہ اعلیٰ اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ اس امر کو پیش نظر رکھ کر ہی میں نے اپنی محدود صلاحیتوں کے ساتھ تجربے کیے ہیں''۔(۶۰)

۷ ''میں نے ۱۹۵۷ء تک جو افسانے لکھے، وہ میری نظر میں خام تھے..... میرے شروع کے افسانے بیانیہ تھے۔اس کے باوجود میں نے کوشش کی کہ ہر افسانے میں تکنیک کا کوئی نیا تجربہ کیا جائے۔(۶۱)

تکنیک کا سب سے پہلا تجربہ ابن فرید نے ''عشرت لاج میں ایک اجنبی'' میں کیا تھا اور دوسرا تجربہ ''دامن یوسف'' ہے۔وہ کسی ایک تکنیک کے پابند نہیں رہے۔ایک اور تجربہ انھوں نے اپنے افسانے ''نشانہ'' میں کیا ہے اور اسے انھوں نے تکنیک کے لحاظ سے قدرے نیا قرار دیا تھا۔''نشانہ'' کے بارے میں جوگندر پال نے کہا تھا کہ ''نشانہ ہمارے لیے تحفہ ہے''۔(۶۲) ان کا افسانہ ''گیارہ آدمی، ایک جزیرہ'' بھی مروجہ تکنیک سے ہٹ کر ہے کیونکہ اس میں افسانے کے جملہ گیارہ کرداروں کو ابتدا ہی میں متعارف کرادیا گیا ہے۔متذکرہ بالا اوّل الذکر افسانے (''عشرت لاج میں ایک اجنبی'') کے بارے میں ڈاکٹر سید عبدالباری کہتے ہیں کہ: ''اس کا تاثر اتنا بھرپور اور انداز بیان اتنا دلکش ہے کہ صرف اسی ایک افسانے کے بل پر فن کار اردو افسانے میں، ایک نمایاں مقام کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے''۔(۶۳)

ابن فرید نے افسانہ نگاری کا آغاز کیا تو وہ ترقی پسند افسانے سے ضرور متاثر ہوئے لیکن آگے چل کر انھوں نے اپنا الگ راستہ نکالا۔خصوصاً جب انھوں نے نفسیات اور عمرانیات کا مطالعہ کیا تو اس کے نتیجے میں انھیں انسان کے شخصی اور نفسی اسرار کی تفہیم حاصل ہوئی۔انھوں نے کرداروں کے مطالعے میں علم نفسیات سے کام لیا۔شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار مثالی ہونے کے باوجود ٹائپ کردار محسوس نہیں ہوتے۔وہ کردار صحت مند معاشرتی روایات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان میں بَلا کا اعتماد ہے اور وہ اپنے ماحول پر اثر انداز ہونے کی قوت بھی رکھتے ہیں، جیسے اسلم بھائی یا بھائی جان کے کردار۔

ابن فرید کے بیشتر افسانے بیانیہ ہیں۔جہاں مکالمے ہیں، وہ جامع اور مختصر ہیں۔یہ مکالمے ان کے کرداروں کی واضح شناخت بتاتے ہیں۔ان کے ابتدائی افسانوں کے اسلوب میں روایتی انداز غالب ہے، لیکن پھر اس میں تبدیلی محسوس ہوتی ہے اور انھوں نے اسلوب میں موضوع کی مناسبت کا خیال رکھا ہے جس میں کسی قدر تفکر کا عنصر بھی موجود ہے۔بقول شاہ رشاد عثمانی:

''ان کے افسانوں میں زندگی کا گہرا مطالعہ ہے اور یہ افسانے ہمیں گردوپیش کی زندگی کے متعلق ایک بصیرت عطا کرتے ہیں۔انھوں نے اپنے افسانوں میں مختلف تکنیکی تجربے کیے ہیں اور عموماً نثری آہنگ کو پختگی کے ساتھ برتا ہے''۔(۶۴)

خوں آشامی کی اشاعت پر ڈاکٹر عبدالمغنی نے اپنے رسالے مریخ میں تبصرہ کیا تھا۔وہ لکھتے ہیں:

''زیر نظر مجموعہ ان فسادات کے موضوع پر ہے جو آزادی اور تقسیم ہند کے بعد سے برصغیر کا مقدر بن گئے۔ان میں الم ناکی اور دہشت کے ساتھ عبرت و نصیحت کے گوناگوں پہلو ہیں۔ان کے مطالعے سے وقت کی ایک سنگین حقیقت اور انسانیت کے بحران و انتشار کا اندازہ ہوتا ہے۔حساس ذہنوں کے لیے ان افسانوں میں بصیرت کے سبق ہیں''۔(۶۵)

حوالے اور حواشی:

۱ تین تنقیدی مجموعے: (۱) ادب دادطلب. ادارۂ ادب اسلامی ہند دہلی، ۲۰۰۲ء (۲) چھرہ پس چھرہ. ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۱ء (۳) میں، ہم اور ادب. ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۷ء

دو افسانوی مجموعے: (۱) یہ جہاں اور ہے. منشورۂ بیت الصالحہ، رام پور، ۱۹۹۱ء (۲) خوں آشام. ادارہ ادب اسلامی ہند، دہلی، ۲۰۰۲ء

ایک ناول: چھوٹی بھو. مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، فروری ۲۰۰۳ء

۲ زندگی کا سلیقہ، ادارۂ بتول، لاہور، ۲۰۰۳ء۔ بچے کی تربیت، ادارۂ بتول، لاہور، ۱۹۹۰ء۔ گھریلو جھگڑے، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء۔ ہم کیسے رہیں، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، فروری ۲۰۰۲ء۔ مکاتیب ابن فرید بنام رفیع الدین ہاشمی، مرتب: ڈاکٹر خالد ندیم۔ ادبیات لاہور، ۲۰۱۰ء

۳ ابن فرید کا انٹرویو جسارت کراچی، ۳۰ر اپریل ۱۹۸۱ء

۴ بے بدل انسان، ص ۱۵

۵ ادب دادطلب، ص ۲۳۳

۶ بے بدل انسان، ص ۱۵

۷ ایضاً

۸ خوں آشام، ص ۱۷۰

۹ ایضاً، ۱۷۴-۱۷۵

۱۰ ان کی بہو رضیہ مشکور نے پروفیسر اصغر عباس صاحب اور اس مقالہ نگار کو بھی بتایا کہ یہ مجموعہ شائع ہو گیا تھا اور اس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔ انھوں نے مجموعے کی عکسی نقل بھجوانے کا وعدہ بھی کیا لیکن تاحال یہ وعدہ ایفا نہیں ہو سکا۔ میں کا تعاقب کا کوئی نسخہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے مرکزی کتب خانے میں یا ابن فرید کے قریب ترین دوستوں ڈاکٹر سید عبدالباری اور ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ یہ مجموعہ مرتب ضرور ہوا مگر شائع نہیں ہو سکا۔

یہ جہاں اور ہے (ص ۲۶۶) میں اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں درج ہے: ''ابن فرید کے ۲۳ر افسانوں کا مختصر مجموعہ۔ ابن فرید اپنے کرداروں کے باطن میں بہت گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں، اور افسانوی کینویس میں ایسی تہہ داری پیدا کرتے ہیں، کہ ان کہانیوں کو بھولنا ممکن نہیں ہوتا''۔ حجاب، مارچ ۲۰۰۰ء (ص ۱۰۴) میں اس کا تعارف، حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے: ''ان افسانوں میں فن بھی ہے اور صالح مقصد بھی۔ یہ رومانویت میں بھٹکاتے نہیں، ٹھوس حقیقتوں سے دوچار کرتے ہیں۔ افسانوں میں نثری آہنگ کے کامیاب تجربے کیے گئے ہیں۔ مسلسل فنی ارتقا اور تکنیکی تنوع کا اردو میں

ایک نادر تجربہ"۔(زیرطبع)

۱۱۔ ابن فرید،ڈاکٹر ابن فرید کے منتخب افسانے (برقی کتاب)ص۵۳/www.Deedahwar.net

۱۲۔ تذکرہ سیدمودودیؒ (جلدسوم)(مرتبین:جمیل احمدرانا+ سلیم منصور خالد)۔ادارہ معارف اسلامی لاہور،۱۹۸۸ء۔ ص۵۹۵-۹۷،۹۹۔ادب وادطلب،ص۲۳۲

۱۳۔ انتظارنعیم،ڈاکٹر ابن فرید،بے بدل انسان، بے مثل قلم کار، ادارہ ادب اسلامی، ہند،دہلی۔۲۰۰۶ء۔ص۱۵

۱۴۔ ایضاً،ص۱۴۶

۱۵۔ یہ جہاں اور ہے،ص۹

۱۶۔ ایضاً،ص۲۵

۱۷۔ ایضاً،ص۲۴

۱۸۔ ایضاً،ص۵۶

۱۹۔ ایضاً،ص۶۰-۶۱

۲۰۔ ایضاً،ص۱۱۸

۲۱۔ ایضاً،ص۱۲۱

۲۲۔ ایضاً،ص۹۲

۲۳۔ ڈاکٹر ابن فرید کے منتخب افسانے (برقی کتاب)،ص۱۴

۲۴۔ رام لعل،اردو افسانے کی نئی تخلیقی فضا، سیمانت پرکاشن،نئی دہلی،۱۹۸۵ء،ص۴۸

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ خوں آشام، ص۲۵

۲۷۔ شمیم حنفی،اردو کلچر اور تقسیم کی روایت، تخلیق کار پبلشرز دہلی،۲۰۱۱ء،ص۱۲۴

۲۸۔ خوں آشام،ص۳۰-۳۱

۲۹۔ ایضاً،ص۸۰-۸۱

۳۰۔ ایضاً،ص۸۱

۳۱۔ ایضاً،ص۸۳

۳۲۔ ایضاً،ص۱۱۷

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً،ص۱۲۵

۳۵۔ ایضاً،ص۲۹-۳۰

۳۶۔ انٹرویو،نقوش۱۹۶۴ء،ص۱۰۱،بحوالہ ڈاکٹر پردین اظہر:مختصر افسانہ نگاری کی تنقید۔ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،۲۰۰۱ء

۳۷۔ خوں آشام،ص۱۵۳

۳۸۔ ایضاً،ص۱۵۴

۳۹۔ یہ جہاں اور ہے،ص۷۶

۴۰۔ ایضاً،ص۷۹

۴۱۔ ایضاً،ص۱۱۸

۴۲۔ ایضاً،ص۱۲۲

۴۳۔ ڈاکٹر ابن فرید،بے بدل انسان، بے مثل قلم کار، ص۱۳۶

۴۴۔ یہ جہاں اور ھے ،ص۹۴

۴۵۔ م نسیم ،تماشائی، المنار بک سنٹر،لاہور،۱۹۹۳ء،ص۵۱-۵۸

۴۶۔ ڈاکٹر ابن فرید،بے بدل انسان، بے مثل قلم کار، ص۱۴۸

۴۷۔ ایضاً،ص۱۷۲

۴۸۔ حمید شاہد،اردو افسانہ: صورت و معانی،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،جنوری ۲۰۰۶ء،ص۴۲-۴۳

۴۹۔ خوں آشام،ص۱۶۶-۱۶۷

۵۰۔ یہ جہاں اور ھے ،ص۷۷

۵۱۔ ایضاً،ص۷۸

۵۲۔ ایضاً،ص۹۵

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً،ص۹۶

۵۵۔ ایضاً،ص۲۳۷

۵۶۔ ایضاً،ص۲۴۲

۵۷۔ ایضاً،ص۲۴۴

۵۸۔ ڈاکٹر محمود شیخ،ابن فرید کی افسانہ نگاری،مشمولہ:ڈاکٹر ابن فرید،بے بدل انسان، بے مثل قلم کار،ص۱۵۲

۵۹۔ شہزاد منظر،علامتی افسانے کے ابلاغ کا مسئلہ، منظر پبلی کیشنز،کراچی،۱۹۹۰ء،ص۲۱-۲۲

۶۰۔ ادب دادطلب،ص۲۲۰

۶۱۔ ایضاً،ص۲۳۴

۶۲۔ خوں آشام،ص۳۰

۶۳۔ ڈاکٹر ابن فرید،بے بدل انسان، بے مثل قلم کار،ص۱۶۲

۶۴۔ ایضاً،ص۱۰۹

۶۵۔ ڈاکٹر عبدالمغنی ،مویخ، پٹنہ،فروری تا اگست ۲۰۰۳ء،ص۴۳-۴۴